تنکے کا سہارا

اندر گھپ اندھیرا رہتا ہے۔ کبھی کبھی چوکیدار کی لمبی سیٹی سنائی پڑتی ہے اور پھر لمبی چپ!

وہ ساتھ والے کمرے میں چلنا شروع کر دیتا ہے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ قدم دھرتا ہے۔ ہمارے کمروں کے درمیان موٹی دیوار ہے جس میں کوئی دروازہ' کھڑکی یا روشندان نہیں۔ لیکن میں اپنے پلنگ پر لیٹا لیٹا' آنکھیں بند کئے اسے دیکھ سکتا ہوں۔ وہ پلنگ کی پٹی پکڑ کر دھیان سے بستر چھوڑتا ہے۔ پھر کچھ دیر فرش پر بچھی دری پر کھڑا رہ کر اپنی آنکھوں کو اندھیرے کا عادی کرتا ہے۔ اسے خیال رہتا ہے کہ کہیں شور نہ ہو۔ اندھیرے میں سرہانے تلے سے ٹارچ نکال کر وہ جوتے تلاش کرتا ہے۔ پھر سر پر اونی ٹوپی پہنتا ہے۔ گرمی' سردی ہر موسم میں یہی کیمل کلر کی ٹوپی سر پر رکھتا ہے۔ سر پر ٹوپی پہننے کے بعد وہ غسل خانے میں جاتا ہے اور سوچتا رہتا ہے وضو کے لئے نلکہ چلاؤں یا مسح کر لوں.... اسے خیال رہتا ہے کہ پانی کے شور سے کہیں میری نیند نہ خراب ہو جائے۔ میں دیکھ سکتا ہوں کہ اب اس نے تہجد کے لئے جائے نماز بچھایا ہے۔ اس کے ہونٹ بدبداتے ہوئے میرے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ وہ ہر وقت میرے لئے دعائیں مانگتا ہے..... بے اثر' کمزور' بزدلانہ دعائیں.... اس کی دعائیں کوسمک شعور کو چیر کر اوپر اٹھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ جس طرح مینڈک بڑی ہمت سے جست بھر کر اپنی پہلی جگہ سے کچھ ہی دور جا بیٹھتا ہے ایسے ہی وہ پہلی دعا سے کراہ کر تھوڑی دیر بعد اپنی دعا کا بم گولا اگل دیتا ہے—— نہ کہیں تباہی آتی ہے نہ کہیں روئیدگی جنم لیتی ہے۔ صرف اس کی دعاؤں کا دھواں کمروں میں گھومتا رہتا

ہے۔

اس کا سارا دن مجھ سے چھپنے اور میرا تعاقب کرنے میں گزرتا ہے۔ ادھ کھلے دروازوں سے وہ میرا جائزہ لیتا ہے۔ آدھا سر جھکا کر میری آواز سنتا ہے۔ ہم دونوں کے علاوہ اس فلیٹ میں کوئی نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ ایک مردہ کائنات چلتی ہے۔ میرے اردگرد کئی بھوت آدھے سوئے آدھے جاگے پہرہ دیتے ہیں۔ وہ میرے قریب آنے' پاس بیٹھنے' بات کرنے کے بہانے تلاش کرنے میں وقت گزارتا ہے جبکہ میں اس سے چھپ جانے' پرے رہنے' جواب نہ دینے کے بہانے ڈھونڈتا ہوں۔ جب کھانے کے لئے بلانے آتا ہے تو اس کے چہرے پر خوشی ہوتی ہے۔ وہ آگے پیچھے ہوتا ہے لیکن اطلاع نہیں دے سکتا۔ ایسے میں اس کے پاؤں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ گر جائے گا لیکن پھر وہ سنبھل جاتا ہے۔

پتہ نہیں وہ ہر بار کیوں سنبھل جاتا ہے؟

میرے قریب آ کر وہ اپنی کیمل کلر ٹوپی کو آنکھوں تک نیچے کر لیتا ہے جیسے ٹوپی ہتھیار ہو جس سے وہ اپنے آپ کو محفوظ کر رہا ہو۔ بڑی دیر تک وہ بغیر دانتوں والے منہ میں کچھ بدبداتا ہے۔ شاید دعا مانگتا ہے.... اپنے لئے حفاظت کی دعا یا پھر میری فلاح کے لئے منت سماجت۔

اس کی دعائیں پھٹے ہوئے پیراشوٹ کی طرح اڑ کر کہیں نہیں جاتیں۔ وہ سوچتا رہتا ہے۔ میں اسے بات کرنے کا اذن نہیں دیتا۔ کتاب سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ حروف پر نظریں رکھتے ہوئے میں اسے دیکھتا ہوں۔ وہ میری سردمہری کے آگے گونگا ہوتا چلا جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد کان میں انگلی پھیرتا ہے۔ میں کراہت سے آنکھیں بند کرتا ہوں۔ وہ لوٹ جانے کا عزم کرتا ہے اور لوٹتے ہوئے بولتا ہے۔ کسی دیوار سے مخاطب ہوتا ہے۔ ہوا میں چہرہ کر کے کہتا ہے۔

"کھانا تیار ہے۔"

"اچھا——"

"ٹھنڈا ہو رہا ہے——" وہ اعتراف جرم کرتا ہے۔

"اچھا——"

"تمہارے لئے مرغ پکا ہے——" وہ اچھے کھانے کو بہت بڑی تفریح سمجھتا ہے۔

"سن لیا ہے——"

وہ مڑتا ہے۔ اس کے پاؤں سلیپر میں پھسلنے لگتے ہیں۔

"آجاؤ——" وہ منت سے کہتا ہے۔

لیکن میں اس کا حکم برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اس کی کسی قسم کی مداخلت کا روادار نہیں۔ "آپ خود نہ آیا کریں۔ ملازم کو بھیج دیا کریں——"

"اچھا——" بجھی آواز میں کہہ کر وہ چلا جاتا ہے۔ میرے کمرے سے ملحق بیلکونی میں وہ گہری سوچ میں الجھ کر کھڑا رہتا ہے۔ کہیں جا نہیں سکتا۔ بڑی دیر تک میں اپنی کتاب چھوڑ کر باہر نہیں نکلتا۔ میں جانتا ہوں وہ کم کھاتا ہے اور لو بلڈ پریشر کی وجہ سے اسے کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ لیکن میں کبھی اس کی اطلاع پر جلدی نہیں اٹھتا۔ کھانے کی میز پر میں اسے اچھی چیزیں کھانے پر آمادہ نہیں کرتا۔ وہ دال میں بھگو بھگو کر روٹی کھاتا ہے۔ سامنے والے دانتوں کے بغیر اس کا ہلتا منہ اور بھی مکروہ لگتا ہے۔ وہ اچھے سالن کا ڈونگا میرے آگے رکھتا رہتا ہے لیکن میں لوٹا کر ڈونگا کبھی اسے پیش نہیں کرتا۔ میں اسے کوئی چیز دے کر خوش نہیں ہوتا۔ وہ کبھی شکایت نہیں کرتا' بلکہ مجھے کھلا کر خوش ہوتا ہے۔ اس کے اس رویئے سے مجھے اور بھی کوفت ہوتی ہے۔ میں اسے اس خوشی کی بھی سزا دیتا ہوں۔ اگر مجھے شبہ ہو جائے کہ وہ میرے کھانے میں خوش ہے تو میں ہاتھ کھینچ لیتا ہوں۔ اپنے رویے کی سختی سے اس کی ساری خوشی ختم کر دیتا ہوں۔

"آپ یہ ڈونگے میرے آگے نہ رکھا کریں۔ میرے پاس ہاتھ ہیں' میں اپاہج نہیں ہوں۔ میں چیزیں اٹھا سکتا ہوں۔"

وہ ڈر جاتا ہے۔ میرے سامنے بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ گڑبڑا کر وہ پھر دال میں روٹی بھگو کر کھانے لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگتا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر اس کی محبت غالب آ جاتی ہے۔ وہ چند لمحے پہلے کی باتیں بھلا کر ڈونگا پھر میرے آگے رکھتا ہے۔

"مرغ ہے—— کھا لو——"

"آپ نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے...." میں اٹھتے ہوئے کہتا ہوں۔ کھانا ادھورا چھوڑ کر میں اس کی گردن پر شکنجہ اور کس دیتا ہوں۔

ہر بار وہ سمجھ نہیں سکتا کہ اب کیا ہوا ہے!

"جو کچھ زندگی نے آپ کے ساتھ کیا' کم تھا۔ اگر میں زندگی کی جگہ ہوتا تو اور بھی کرتا——" وہ مجھ سے اتفاق رائے کرتا ہے اور دال میں بھیگی روٹی کھانا چھوڑ دیتا ہے۔

"آپ نے میری ساری زندگی تباہ کر دی۔ ہر بات میں مداخلت.... ہر بات میں دخل در معقولات..... ہر چیز میں ٹانگ اڑانا".... میں دروازہ پٹاخ سے بند کرتا ہوں۔ وہ بغاوت سے نا آشنا رہتا ہے۔ بددعا نہیں دے سکتا۔ خود ترسی میں رو نہیں سکتا۔ کسی سے میرے خلاف بات نہیں کرتا۔ میری محبت اس کے گلے میں زنجیر کی طرح بندھی ہے وہ اس زنجیر سے گھسٹتا رہتا ہے۔ اس کے صبح و شام اسی محبت کے تابع گزرتے ہیں۔ اس کے بے ثمر زندگی کا مرکز ثقل میری ذات ہے۔ ایک مدت سے وہ اپنی زندگی بسر نہیں کر پایا کیونکہ اشتباہ کے زیر نظر وہ سمجھتا ہے کہ وہ میں ہوں۔

میری موجودگی میں وہ میرے کمرے میں کم آتا ہے لیکن جب میں ٹیوشنیں پڑھانے نکل جاتا ہوں' میری تمام چیزیں ٹھکانے پر آ جاتی ہیں۔ اسے باتیں کرنے کا شوق ہے لیکن وہ میرے کمرے میں آ کر بات نہیں کر سکتا' دروازے میں رک جاتا ہے اور کیمل کلر کی ٹوپی آنکھوں تک نیچی کر کے اطلاع دیتا ہے۔

"یہ عبدل چور ہے——"

"جی تو پھر؟——"

"کل یہ سیر چینی کے لئے پیسے لے کر گیا اور صرف آدھ سیر چینی لایا——"

"بدل لیں——"

"ہاں لیکن کام اچھا کرتا ہے۔"

"پھر شکایت نہ کریں——"

"ہاں وہ تو ہے——"

وہ ڈھکے کان کو ننگا کر کے کھلنے لگتا ہے پر جاتا نہیں۔ میری کوشش ہوتی ہے

کہ میں اس کا راستہ' بات' معاملہ نہ ٹوکوں لیکن وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بچوں کی طرح مجھے بلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا رویہ کبھی عاجزانہ اور کبھی بزدلانہ ہوتا ہے۔ نارمل طریقے سے کمرے کے اندر آ کر وہ بات نہیں کر سکتا۔ بہت سی باتیں' واقعات اس کے دماغ میں گھومتے رہتے ہیں۔ وہ کئی واقعات کی مجھ سے تصدیق کرنا چاہتا ہے۔ کچھ لوگوں کے نام اس کے ذہن سے اتر چکے ہیں۔ کئی الفاظ وہ غلط استعمال کرتا ہے۔ پوچھنا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کس بیماری سے پاگل ہوئی تھی؟ وہ نہیں جانتا کہ اس کے باقی دو بچے کہاں ہیں؟ اسے کچھ تاریخیں بھی پریشان کرتی ہیں۔ وہ اپنی گزری زندگی کو کسی تسلسل' کسی آرڈر میں لانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے ساتھ کون کون تھا؟ کس جگہ' کس موسم میں کون بچھڑ گیا؟ جب باتیں کرنے کی خواہش غالب آ جائے تو وہ میرے دروازے تک آ جاتا ہے' میں اس کے آنے پر اپنی طبیعت کو حاضر نہیں پاتا۔

"جب میں پہلی بار قید گیا تو وہ بیمار تھی——"

میں تاریخ کی کتاب سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

"اسے کیا بیماری تھی؟"

میں اس کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ اپنے کسی سوال کا کوئی جواب اسے نہیں آتا۔ وہ کیوں کیسے کہاں کا جواب جانتا ہی نہیں اسی لئے سارا دن الجھتا پھرتا ہے۔

میرا رویہ افسرانہ ہے۔ میں کبھی اس کی طبیعت کا نہیں پوچھتا۔ کبھی کبھی مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی بوڑھی ہڈیاں دکھتی ہیں اور وہ بخار میں مبتلا ہے۔ مجھے اس پر ترس نہیں آتا۔ پچھلے چند سالوں میں وہ اپنا ہی بھوت بن گیا ہے۔ اس کا سوکھا ہوا چہرہ چھوہارے کی طرح جھریوں سے اٹ گیا ہے۔ ہاتھوں کی رنگت سرمئی مچھلی جیسی ہے۔ اس کے دبلے پن سے خوفزدہ ہو کر میں کئی بار وٹامنز کی گولیاں لایا ہوں لیکن اسے نہیں دے سکا۔ محبت کے ایک لفظ سے لے کر وٹامن کی ایک گولی تک میں اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ میرا پریم پالی چڑھائی چڑھنا نہیں جانتا۔ کبھی کبھی وہ اپنی شیشیاں بیلکونی کی روشنی میں ہلا ہلا کر دیکھتا ہے' میں اندازہ لگاتا ہوں کہ وہ اپنی کسی تکلیف کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ لیکن فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کون سی دوا اس کے درد کا علاج ہے۔

آخر میں وہ اپنی پسند ناپسند کو ترجیح نہیں دیتا اور کوئی سی دوا پی کر راضی ہو جاتا ہے۔
سال میں کسی ایک دن میں چلتے چلتے پوچھتا ہوں —— "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

وہ یکدم کھل جاتا ہے اور میری طرف پر اشتیاق نظروں سے دیکھتا ہے۔

"رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے' میں سو نہیں سکتا —— گلی کا چوکیدار بہت اونچی سیٹی بجاتا ہے —— میرے جوڑوں میں درد ہوتا ہے۔"

میں سوال کرنے کے بعد جواب کا انتظار نہیں کرتا —— لیکن وہ جواب دیتا رہتا ہے' اپنی خوراک' اپنی بیماری' اپنی دوائیوں کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ میں جا چکتا ہوں لیکن اس کی بات جاری رہتی ہے۔

یہ بلاک جس کی دوسری منزل پر ہم دونوں رہتے ہیں اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ اینٹوں میں کسی زمانے میں گلابی مائل رنگ تھا لیکن اب آتے جاتے موسموں نے اس کی رنگت کے حواس گم کر دیئے ہیں۔ یہ تین بلاکوں کا سلسلہ ہے جس میں ہم دونوں درمیانے بلاک میں رہتے ہیں۔ اس کی تعمیر عام سرکاری عمارتوں کی طرح سر سے بلا ٹالنے کے فارمولے پر ہوئی ہے۔ سارے بلاک میں پانی کی ٹونٹیاں رستی ہیں۔ بجلی کی تاریں دیواروں سے ڈھلک آئی ہیں۔ بیلکونی کا جنگلا ہلتا ہے۔ دیواروں سے چونا جھڑتا ہے۔ سارے بلاک والے جانتے ہیں کہ پرانے سوئچ شاک دیتے ہیں۔ یہ تینوں بلاک حکومت نے سرکاری ملازمین کے لئے بنوائے تھے لیکن ترقی پا کر ہر ملازم پگڑی لے کر اپنا فلیٹ بیچ گیا اور اس طرح آہستہ آہستہ ان بلاکوں میں دکاندار' مہاجر' دیہاتی' ریڑھی چھابڑی والے آباد ہو گئے۔ میرے باپ نے بھی اس فلیٹ کو دوسری مرتبہ قید جانے سے پہلے حاصل کر لیا۔ قید جانے سے پہلے وہ ایک چھوٹی سی دکان میں مرغیوں کی فیڈ بیچتا تھا۔ وہ آج تک نہیں جان پایا کہ وہ دوسری مرتبہ قید کیوں ہوا تھا؟ تھانیدار نے اسے صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ ملاوٹ کرتا ہے۔

وہ سمجھ نہیں سکا کہ مرغیوں کی فیڈ میں کوئی اپنی طرف سے مزید کیا ملا سکتا ہے؟

اس فلیٹ کے آگے ایک بڑا وسیع پارک ہے اور تین بلاکوں کے بعد ایک بازار ہے جو دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ پارک بھی وقت کے ساتھ ساتھ خوبصورت ہوتا جا رہا

ہے۔ پارک کی دوسری جانب عالی شان کوٹھیوں کا سلسلہ ہے۔ ان کوٹھیوں کی پشت پارک کی طرف ہے' ہمارے فلیٹ سے یہ کوٹھیاں نظر نہیں آتیں۔ پارک کے درختوں نے کوٹھیوں کی پشت کو بھی ڈھانپ رکھا ہے۔ جس طرح اس کے منہ میں پچھلے دانت دکھائی نہیں دیتے۔ صرف جب وہ منہ کھولتا ہے تو ایک غار سی کھل جاتی ہے۔ پچھلے دانتوں سے وہ کھانا چبا سکتا ہے۔ کبھی کبھی مجھ سے چھپ کر بیلکونی کے پاس مونڈھے پر بیٹھ جاتا ہے' پھر بڑے اہتمام سے کوئی کرکری چیز کھاتا ہے۔ رسک' مونگ پھلی' چپس جب وہ کھاتا ہے تو بیلکونی سے شور میرے کمرے تک آتا ہے۔ میری پڑھائی میں ہرج ہوتا ہے۔ مجھے احتمال ہے کہ وہ مجھے ستانے کے لئے مونڈھے پر آبیٹھتا ہے۔

میں سیڑھیاں اتر کر پارک میں چلا جاتا ہوں۔ لیکن اس کے کھانے کی آواز ہر جگہ میرا تعاقب کرتی ہے۔ میں سوچتا ہوں اسے منع کروں کہ وہ ایسی چیزیں نہ کھایا کرے۔ لیکن جانتا ہوں وہ عمر کے ایسے حصے میں ہے جب کچھ ماننا' یاد رکھنا اس کے بس کی بات نہیں۔

اس سے بچنے کے لئے میں پارک میں جاتا ہوں۔ وہ بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے کبھی کبھار اس بنچ پر جا بیٹھتا ہے جو بیلکونی سے نظر آتی ہے۔ جب میرے لئے یہ گھر تنگ ہوتا ہے تو پارک مجھے کھلی ملتی ہے۔ میں سردیوں میں کئی گھنٹے ادھر بنچ پر گزارتا ہوں۔ وہ میرے تعاقب میں آنا چاہتا ہے۔ لیکن نہیں آ سکتا تو مونڈھے پر بیٹھ کر جنگلے کے پیچھے سے مجھے دیکھتا رہتا ہے اور کمبل کلر کی ٹوپی ٹھیک کرتا رہتا ہے اس کی نظریں مجھے اپنی کمر پر محسوس ہوتی ہیں اس کے بدبداتے ہونٹ دکھائی پڑتے ہیں جس سے بے اثر بزدلانہ دعائیں نکلتی ہیں وہ میرے لئے کچھ نہیں کر سکتا اس لئے دعائیں مانگتا ہے اور مدد کے لئے غیبی طاقتوں کو بلاتا ہے جب کبھی میں باہر سے آتا ہوں وہ میرے کمرے میں آنا چاہتا ہے وہ کچھ سوال پوچھ کر شانت ہو سکتا ہے۔ میں کہاں گیا تھا؟ کیا میں ٹیوشن پڑھا کر آیا ہوں؟ بازار میں کون ملا؟ چھوٹے چھوٹے سوال اس کے دماغ میں کھلبلی مچا دیتے ہیں۔ وہ اپنے سوالوں کا کوئی جواب نہیں جانتا۔ مجسم استفسار دہلیز تک آ جاتا ہے۔

"بڑی دیر کر دی!"

میں اپنی کتابیں میز پر رکھتا ہوں۔

"ٹیوشن پر گئے تھے؟"

میں کوٹ ٹانگ کر سینے والی جیب سے قلم نکالتا ہوں۔

"ٹیوشن کے پیسے مل گئے؟"

میں جواب نہیں دیتا۔

میں جوتا اتار کر سلیپر پہنتا ہوں۔

"میں تمہارے سر میں بادام روغن لگا دوں' خشکی ہو گئی ہے۔"

میں اپنے خشک بالوں سے سروکار نہیں رکھتا۔

"شکریہ——" میں انکار میں جواب دیتا ہوں۔

وہ کھڑا رہتا ہے۔ شاید وہ مجھے چھونا چاہتا ہے۔ میرے کندھوں سے خشکی جھاڑنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ کسی طرح وہ میری زندگی کا حصہ بن جائے۔ میں اسے کھڑا چھوڑ کر آگے بیلکونی میں چلا جاتا ہوں۔ جنگلے پر تولیہ خشک ہونے کے لئے پڑا ہے۔ دوسرے بلاکوں کے جنگلے بھی ایسے ہیں۔ ان پر بھی ہمیشہ سوکھنے کے لئے کپڑے ٹنگے رہتے ہیں۔

سامنے پارک ہے۔ بڑھتی شام کے دھندلکے میں کچھ کوے فوارے میں نہا رہے ہیں۔ کسی طرف سے کلاشنکوف کی آواز آتی ہے۔ کوے یکدم اڑ جاتے ہیں۔ میں سوچنا چاہتا ہوں کہ آخر میں ایسا کیوں ہوں؟ میں کسی کی مہربانی' کسی کا پیار بھی وصول نہیں کر سکتا۔ مجھے ٹیوشنیں پڑھاتے بیس سال ہو گئے لیکن آج تک میں نے کسی گھر میں چائے تک نہیں پی۔ میں کوئی تحفہ وصول نہیں کر سکتا۔ کسی سے ملنے نہیں جا سکتا۔ میں نے کچھ دوسرے لوگوں سے زیادہ زخم نہیں کھائے؟ ایسے معاشروں میں عام آدمی کی بس ایسی ہی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن میرے پاس عام خوشی اور عام غم نہیں ہے۔ میں بنچ پر بیٹھ کر سوچتا ہوں کہ اپنے دل کی کھڑکی کھول کر میں کسی کو جھانکنے کا موقع کیوں نہیں دیتا....؟ میں عام انسان کی عام زندگی کیوں بسر نہیں کر سکتا؟

کبھی کبھی پارک کے اس حصے میں جہاں میرے والی بنچ ہے' ایک جوان بیٹھا نظر آتا ہے۔ بیس سال پہلے میں بھی اسی طرح نیلے چیک والی قمیص پہنا کرتا تھا۔ وہ میری

طرح چلتا ہے' ایک کندھا جھکا کر بائیں پنجے پر بوجھ ڈال کر—— جب وہ بڑے پھاٹک کی طرف سے بنچ کی طرف آتا ہے تو اس کی چال پر مجھے ناچ کا شبہ ہوتا ہے۔ اپنی بیکار زندگی کے باوجود ابھی اس کی چال میں نرت ہے' موسیقی ہے۔ میں بیلکونی میں کھڑا اسے دیکھتا ہوں.... پھر سوچتا ہوں.... بھلا میں نے کیسے اندازہ لگایا کہ اس کی زندگی بیکار ہے.... وہ پہروں بنچ پر بیٹھ کر اپنے خوابوں میں گم رہتا ہے؟.... شاید بے روزگار ہے۔ ماں باپ نے عاق کر دیا ہو گا؟ شاید نشہ کرتا ہو؟ ہو سکتا ہے بیمار عشق ہے' محبوبہ کی بے وفائی سے گھائل ہے؟ کبھی کبھی وہ بنچ سے اٹھ کر گھاس پر جا بیٹھتا ہے۔ آسمان کو دیر تک دیکھتا ہے۔ ممکن ہے وہ آسمان میں اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کرتا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں وہ مجھ سے مشابہ ہے اور آسمان سے صرف اس جواب کا منتظر ہے کہ خدا نے اسے کیوں پیدا کیا؟.... پارک میں آنے جانے والے لوگوں کو علم نہیں ہو سکتا کہ اس جواب کی اس کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟ ایک وقت تھا اس کی طرح میں بھی اسی گھاس کے تختے پر بیٹھ کر آسمان کو تکتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ نیلاہٹوں میں آہستہ خرام ہر چیل میرے کسی نہ کسی سوال کا جواب ہے.... نیلے چیک کی قمیص پہننے والے کو ابھی علم نہیں کہ انسان جس قدر امید پر پلتا ہے اس سے کہیں زیادہ ناامیدی پر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ ابھی وہ ناامیدی سے بیس سال پیچھے ہے.... جب بھی مجھے وہ نظر آئے میں مسکرانے لگتا ہوں' اپنی اور اس کی مشابہت مجھے مسکرانے پر مجبور کرتی ہے....

گھر میں جب بھی میں مسکراؤں وہ سمجھتا ہے کہ میں اسے دیکھ کر خوش ہوں۔ وہ مجھے مسرور پا کر کملا جھریا کے گانے گنگنانے لگتا ہے۔ عینک دھو کر صاف کرتا ہے' پاؤں کی ٹھیٹھیں بلیڈ سے صاف کرتا نظر آتا ہے' پارٹ ٹائم ملازم سے اونچی اونچی باتیں کرنے لگتا ہے۔ جونہی اسے احساس ہو کہ میں خوش نہیں وہ متذبذب ہو جاتا ہے۔ جہاں کھڑا ہو وہاں سے کہیں اور جانا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا۔ لگتا ہے اس کی قوت فیصلہ اس لمبے سفر پر کہیں کھو گئی ہے۔ اس کے لئے اب سب فیصلے درست ہیں' بشرطیکہ وہ میں نے کئے ہوں۔

کبھی کبھی جب میں اس کے کمرے کے سامنے سے گزرتا ہوں' اس کے کمرے

میں نظر پڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی دروازہ بند نہیں کرتا۔ میری چاپ سننا چاہتا ہے' اس خیال سے کہ شاید مجھے کبھی اس کی ضرورت پڑ جائے' ہو سکتا ہے میں بلاؤں اور آواز اس تک نہ پہنچے۔ ادھ کھلے دروازے سے میں دیکھتا ہوں وہ اپنے کپڑوں کو دیکھتا ہے۔ کپڑوں کا پہننا' اتارنا' تبدیل کرنا اب پسند ناپسند کے تابع نہیں۔ لیکن پھر بھی وہ الماری میں سے پرانے سویٹر' ٹوپیاں' شلوار قمیص نکال کر دیکھتا رہتا ہے۔ کچھ یاد کرنے' کچھ بھول جانے میں مصروف نظر آتا ہے۔

صبح کے وقت سامنے والی بیلکونی میں موڑھے پر بیٹھ کر وہ پارک کی طرف رخ کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ پارک کی طرف رخ کر کے ادھر دیکھتا نہیں۔ پھر وہ مٹھیاں بند کرتا ہے' کھولتا ہے۔ اپنی اینٹھی ہوئی انگلیوں کو لچک دینے کی مشق کرتا ہے۔ کبھی کبھی وہ بیٹھے بیٹھے ایک ٹانگ سیدھی کر کے گھٹنوں پر مکیاں مارتا ہے۔ کندھے کو دبوچنے کے انداز میں پکڑ کر چھوڑتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ ہمت ہمت کرتے دونوں پر دعائیں ہوتی ہیں۔ شاید اسے جھولی گرتی دعاؤں کا علم نہیں ورنہ وہ اتنی باقاعدگی سے دعائیں نہ مانگتا۔

ان شکستہ صورت بلاکوں میں اس کی کسی سے دوستی نہیں—— وہ کسی سے دوستی کر کے میرے وقت کا زیاں نہیں کرنا چاہتا۔ ہم دونوں ہی کسی سے ملنے نہیں جاتے۔ بازار میں بھی وہ صرف داڑھی کا خط بنوانے جاتا ہے اور لوگوں سے بچتا بچاتا گھر آجاتا ہے۔

کبھی کبھی ہماری ہمسائی ایک چھوٹی سی بچی کے ہاتھ کچھ بھجوا دیتی ہے۔ اس روز وہ لڑکی شیشے کی پلیٹ میں کچھ پھل ڈھانپ کر لائی۔ یہ بیلکونی میں میرے کمرے کی جانب چہرہ کئے موجود تھا۔

"امی نے یہ پھل بھیجے ہیں' ابا منڈی گئے تھے——" لڑکی اسے دیکھتی ہے' پھر میرے کمرے کے اندر دزدیدہ نگاہوں سے نظر ڈالتی ہے۔ میں اس بچی کو دیکھ کر ہراساں ہو جاتا ہوں۔ دروازے تک جاتا ہوں۔ وہ پھل کی پلیٹ پکڑتا ہے۔ لڑکی کو نہیں دیکھتا۔ اپنے کانوں سے میرے پاؤں کی چاپ سنتا ہے' اسے اپنے کانوں سے بھی مجھے دیکھنے کی عادت ہے۔ لڑکی بیٹھنا چاہتی ہے۔ ہم دونوں میں سے کوئی اسے بیٹھنے کے

لئے نہیں کہتا۔

"آپ کے لئے حصہ بھیجا ہے۔"

وہ قمیص کے دامن میں امرود کیلے ڈلوا لیتا ہے۔

"میں جاؤں جی——"

"اچھا——"

لڑکی مایوس نظر آتی ہے۔ سیڑھیوں کے دروازے تک پہنچ کر وہ رکتی ہے۔ پھر سارے میں دیکھتی ہے "سلام علیکم جی——"

اس کے جانے کے بعد وہ میرے دروازے تک آتا ہے۔

"امرود کھا لو——"

"جی نہیں چاہتا——"

میں اس کے ہاتھ سے کچھ لے کر کھانا نہیں چاہتا۔ وہ جھولی میں پھلوں کو اٹھائے دروازے کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ میں اس کے سامنے سے گزر کر بیلکونی میں جنگلے کے ساتھ جا کھڑا ہوتا ہوں۔ جنگلے پر نیلے رنگ کا تولیہ سوکھنے کے لئے ٹنگا ہے۔ تینوں بلاکوں میں اسی طرح جنگلوں پر کپڑے سوکھنے کے لئے ٹنگے رہتے ہیں۔

پارک میں دن کے وقت ہجوم کم ہوتا ہے۔ لوگ عموماً لمبے راستوں کو چھوٹا کرنے کے لئے یہاں سے گزرتے ہیں۔ ان کے پیروں سے گھاس پر چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں کے نشان بن گئے ہیں۔ ان جلدی سے گزر جانے والوں کو املتاس' بیری' برگد کے درخت نظر نہیں آتے۔ وہ بیلدار جو تلوار سے گھاس کاٹتے ہیں دکھائی نہیں دیتے۔ انہیں چیلیں دور آسمان پر تیرتی محسوس نہیں ہوتیں۔ وہ صرف راستہ چھوٹا کرنے کے لئے ادھر سے گزرتے ہیں۔

لیکن وہ پاگل عورت چیلوں کو جانتی ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی جھولی میں کھانے پینے کی کوئی چیز لے آتی ہے اور چیلوں کو بلا بلا کر اشیائے خوردنی پھینکتی رہتی ہے۔ کسی کسی دن اس کی جھولی میں چھوٹے چھوٹے پتھر کنکریاں ہوتی ہیں۔ نشانہ تاک تاک کر وہ پتھروں سے چیلوں کو مارتی ہے اور فتح مندی کے ساتھ ہنستی ہے۔ سمجھتی ہے اس طرح وہ آسمان پر تیرنے والی چیلوں کو جواب دینے پر مجبور کر دے گی۔ میری نگاہیں

اس پر جمی رہتی ہیں۔ میرا دھیان اس میں اٹک جاتا ہے۔ میں تاروں میں پھنسی چنگوں کو دیکھتا ہوں۔ مجھے اپنی ماں یاد آتی ہے۔ وہ کہتی ہے:

"جب تو پیدا ہوا تھا تو---- گھر کے آگے سے بارات گزر رہی تھی۔ بینڈ بج رہا تھا۔ میری ساس نے تجھے شہد چٹا کر کہا تھا دیکھ بہو تیرا بیٹا راج کرے گا راج' کوٹھیاں بنگلے کاریں---- حکم ہی حکم---- راج ہی راج۔"

پاگل عورت زور سے چیخ مار کر اونچے اونچے ہنستی ہے۔ وہ میری توجہ راج سے ہٹا دیتی ہے۔ میں اپنے آگے پیچھے گھومنے والے ملازموں سے نکل کر بیلکونی میں آجاتا ہوں۔ ایک گاڑی سے اتر کر دوسری میں سوار نہیں ہو سکتا۔ کہیں درمیان میں ہی پیدل چلنے لگتا ہوں۔ ابھی فائلیں میرے حکموں کی منتظر ہوتی ہیں کہ مجھے وہ نظر آجاتا ہے۔ وہ کھانس رہا ہے۔

سردیوں میں اسے کھانسی کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ خشک کھانسی صرف اس کا سینہ جھنجوڑ کر چلی جاتی ہے۔ کسی روز رات کے پچھلے پہر اس کی کھانسی مسلسل ہو جاتی ہے۔ اس میں سے کئی قسم کی ملی جلی آوازیں آتی ہیں۔ لگتا ہے لکڑی چیری جا رہی ہے۔ کار کا انجن بار بار سٹارٹ ہو کر بند ہوا ہے۔ ہمارے کمروں کے درمیان موٹی دیوار ہے۔ کوئی دروازہ کھڑکی یا روشندان اس دیوار میں نہیں۔ میں اپنے پلنگ پر لیٹا لیٹا آنکھیں بند کئے اسے کھانستا دیکھ سکتا ہوں۔ کھانسی کا دورہ پڑتے ہی وہ اپنا منہ رضائی کے اندر کر لیتا ہے۔ کھانسی کی آواز مدھم پڑ جاتی ہے لیکن اس کا اٹیک نہیں رکتا۔

مجھے نظر آتا ہے وہ کبھی شہد چاٹتا ہے کبھی چینی پھانکتا ہے۔ کھانسی کے دورے کو بند کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے شور سے میری نیند میں خلل نہ ہو---- جب کھانسی سے اس کا دم رکنے لگتا ہے یکدم میرے پھیپھڑے کھل جاتے ہیں۔ مجھے پورا سانس اندر جاتا محسوس ہوتا ہے۔ عجیب قسم کی خوشی سے میری نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ میں اپنے بستر سے نکل کر پارک چلا جاتا ہوں اور اوس سے بھیگی بنچ پر بیٹھ جاتا ہوں۔

لیکن اس کی کھانسی میرے ساتھ رہتی ہے۔ باغ میں بتیوں کی اداس روشنی گیلے پن میں اضافہ کرتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے وہ مایوس ہو جائے۔ زندگی سے' لوگوں سے

آس نہ لگائے۔ نکڑ پر کسی اجنبی کو دیکھ کر اپنی بوڑھی مسکراہٹ پیش نہ کرے۔ سیڑھیاں چڑھتے اترتے اسے شک نہ گزرے کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔ بزدلانہ' احمقانہ---- بے اثر دعائیں مانگتے اسے کہیں خیال نہ آجائے کہ اچھے دن دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ مان لے' اسے یقین آجائے ہر دریا پار ایک اور دریا ہے اور جب وہ دونوں دریا پاٹ کر ساحل پر پہنچے گا تو موجیں مارتا ایک اور دریا درپیش ہو گا... میں اندر ہی اندر اسے بتانا چاہتا ہوں کہ امید کے سارے بجرے ناامیدی کے ساحلوں پر جا لگتے ہیں---- میں جانتا ہوں جب میں آدھی رات گئے بنچ پر آ بیٹھتا ہوں تو وہ بستر سے نکل کر بیلکونی میں لوہے کے جنگلے کو تھام کر مونڈھے پر بیٹھ جاتا ہے۔ کھانسی کے دوروں کے درمیان وہ دعائیں مانگتا رہتا ہے---- بزدلانہ' احمقانہ کمزور دعائیں جو اس کے کھانستے سینے سے دور تک پہنچ نہیں پاتیں۔

مجھے سارے پارک میں اس پاگل عورت کی ہنسی سنائی دیتی ہے۔ میری انگلی پکڑ کر وہ مجھے ٹائم مشین میں لے جاتی ہے۔ تب میں چھوٹا تھا اور اس پارک میں روز پتنگ اڑانے کی مشق کیا کرتا۔ میری گڈی کبھی ہوا میں نہ لہرائی۔ لیکن میں نے آسمان کو تکنا سیکھ لیا۔ آسمان پر مجھے خواب تیرتے نظر آنے لگے۔ اونچائی کے---- اوپر اٹھنے کے خواب---- ترقی کے سپنے---- ایسے ہی ایک دن میری ماں مجھے تلاش کرتی باغ میں آئی۔ مجھے بنچ پر بٹھایا۔ اس کے چہرے پر رات گئے کی اوس پھیلی تھی۔ تب اس نے کہانی سنائی---- "سن---- ایک دفعہ ایک ڈاکو کو وقت کے قاضی نے پھانسی کا حکم دیا۔ جس وقت ملزم پھانسی کے تختے کی طرف بڑھ رہا تھا' ڈاکو کی ماں بازو پھیلائے اس کی جانب بھاگی---- ڈاکو نے آگے بڑھ کر ماں کا کان کاٹ کھایا---- سپاہی نے خوفزدہ ہو کر پوچھا اے ناہنجار گناہگار یہ تو نے کیا کیا۔ ڈاکو بولا---- یہ اس وقت کہاں تھی جب میں نے پہلی چوری کی؟ یہ تب کہاں تھی جب میں نے قتل کیا---- یہ ہی تو میری دشمن ہے---- میری پہلی اور آخری دشمن----"

پارک سے پاگل عورت کا قہقہہ بلند ہوتا ہے۔ کسی نے اس کا کان کاٹ کھایا ہے---- اس کی ہنسی میں مسلسل کھانسی کا شور آملتا ہے---- شبنم سے لان بھیگی ہوئی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ میں اپنا گولڈ میڈل اس پاگل عورت کے گلے میں ڈال دوں

—— بیس برس سے ان تین بلاکوں میں ٹیوشنیں پڑھانے کے دوران مجھے ایک دن بھی کوئی ایسا نہ ملا جس کو میں یہ گولڈ میڈل دکھا سکتا۔ ان بلاکوں میں رہنے والے ایم اے ہسٹری کے گولڈ میڈل کو ویسے بھی پہچان نہیں سکتے۔

پاگل عورت کا قہقہہ مجھے پھر سنائی دیتا ہے۔ میں بچ کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ لیتا ہوں اور سیڑھیاں چڑھتا اوپر جاتا ہوں۔ مجھے کمرے سے اپنی بیوی کی خوشبو آتی ہے۔ وہ اچھی تھی۔ سارا دن منگول چہرہ لئے آدھی سوئی آدھی جاگی رہتی۔ صرف جب میرا ہمسایہ اشرف شام کو شطرنج کھیلنے آتا اس کی بند آنکھیں چمکنے لگتیں۔ ہم دونوں بیلکونی میں جنگلے کے ساتھ بیٹھ کر شطرنج کھیلتے۔ اشرف کی نگاہیں شطرنج کی بساط سے ہو کر اندر چلی جاتیں اور دیر تک اندر ٹھہری رہتیں۔

میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا ہوں۔ مجھے ٹیوشن پڑھانے میں دیر ہو گئی ہے۔ میرا کوٹ بارش میں بھیگ گیا ہے' لیکن کوٹ کے اندر کتابیں محفوظ ہیں۔ میری پرانی گرے پینٹ کے پائنچے گارے سے سنے ہیں۔ میں پارک میں شارٹ کٹ لے کر پہنچا ہوں۔ وہ دروازے میں کھڑا کھانستا ہے۔ اس کے ہونٹ بدبدا رہے ہیں جیسے کچھ بزدلانہ دعائیں مانگ رہا ہو—— وہ چاہتا ہے میں کمرے میں جانے سے پہلے کھانا کھا لوں۔

"کھانا کھا لو—— گرم ہے۔"

"مجھے بھوک نہیں——"

وہ پیروں پر شفٹ کرتا ہے۔ محسوس کرتا ہے کہ بدن کا وزن یکدم زیادہ ہو گیا ہے۔

"اچھا۔"

"میں بہت تھک گیا ہوں۔"

"ہاں—— اگر کبھی نوکری مل جاتی—— تو اتنی محنت نہ کرنی پڑتی۔"

پتہ نہیں یہ آرزو کہ اعتراف' پتہ نہیں یہ میری زندگی کی سمری ہے کہ عنوان۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا ہے جیسے خوف کے جھکڑ سے پناہ مانگ رہا ہو۔

میں اندر کمرے میں جاتا ہوں۔ میری بیوی کی خوشبو کمرے میں ہے۔ میں خالی

پلنگ کو دیکھتا ہوں۔ وہاں تین سال کا بچہ سوتا نظر آتا ہے۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی سوتا ہے' ماں کا دوپٹہ پکڑ کر اوندھا۔ اس کی آنکھیں ماں پر ہیں۔ نیند میں ادھ کھلی—— وہ جب کروٹ لیتا ہے تو ذرا سا روتا ہے۔

"کہاں ہے۔"

وہ کھانستا ہے' جواب نہیں دیتا۔ اسے باتیں کرنے کا بہت شوق ہے لیکن تب وہ جواب نہیں دیتا۔

"بچہ کہاں ہے؟" میں پوچھتا ہوں۔

"تم کھانا کھا لو——"

وہ اپنے پیروں پر شفٹ کرتا ہے جیسے خوف سے شل ہو گیا ہو۔

"میں نے بتایا ناں مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اسے باتیں کرنے کا بہت شوق ہے لیکن الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے۔

بھلا وہ بچہ کیوں ساتھ لے گئی؟ ہاں بھلا اشرف اس کا بچہ کیسے پال سکتا ہے؟

خالی پلنگ پر جھرجھری لے کر بچہ کروٹ لیتا ہے۔ اس کی مٹھی سے دوپٹہ نکل جاتا ہے—— ماں بیٹا دونوں غائب ہو جاتے ہیں۔

دونوں—— کب' کس وقت گئے؟

وہ منہ ہی منہ میں دعائیں مانگتا ہے۔

مجھے اس کے ہاتھ سے رقعہ ملتا ہے۔ میں رقعہ پڑھتا ہوں۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ خط میں کیا لکھا ہے' لیکن میں اسے نہیں بتاتا۔ میں اسے اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ میں بیلکونی کے جنگلے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوتا ہوں' سامنے پارک میں بھیگی گھاس پر بارش پڑ رہی ہے۔ روشنیاں درختوں پر جامد ہو گئی ہیں۔ سوچتا ہوں جس شارٹ کٹ سے میں ابھی گیا تھا' کچھ دیر پہلے اشرف نے میری بیوی کے ساتھ اسی راستے کو اختیار کیا ہو گا۔ اشرف نے ان دونوں کے اوپر اپنا لنڈے کا کوٹ ڈالا ہو گا اور وہ دونوں پارک کے دوسری طرف بس سٹاپ پر چلے گئے ہوں گے.... میری بیوی کا منگول چہرہ اور ادھ کھلی آنکھوں والے بچے کا چہرہ خالی ہو گا۔

بچ کے قریب املتاس کے ساتھ ایک جالی دار ویسٹ باسکٹ لگی ہے۔ لوگ آتے

جاتے آئس کریم کے کپ، خالی لفافے، اخبار اور ان گنت ردی چیزیں ان میں پھینکتے رہتے ہیں۔ اس باسکٹ پر لکھا ہے: یوزمی —— یوں لگتا ہے جب کوئی اس باسکٹ کو استعمال نہیں کرتا تو اسے رنج ہوتا ہے۔ کئی کئی دن یہ باسکٹ خالی نہیں ہوتی۔ بھرتی رہتی ہے، ٹھنستی جاتی ہے۔ لیکن جب سارا گند اس میں سے نکل بھی جاتا ہے تو اس پر لکھا ہوا یوزمی باقی رہتا ہے —— کچھ دن ہوئے یہ ویسٹ باسکٹ درخت سے گر کر گھاس پر لڑھکتی ہے۔ شام کو بچے اسے ٹھڈے مارتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ باغ کے لئے اس کی کتنی ضرورت تھی —— کوئی نہیں جانتا کہ جب گھروں میں سے یوزمی والے چلے جاتے ہیں تو زندگی کتنی اجاڑ ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنی بیوی کا خط نہیں پڑھا۔ میں جانتا ہوں اس میں میری تسلی اور اپنے چلے جانے کا جواز لکھا ہے —— وہ اتنی ہی اچھی تھی۔

اب پارک میں کبھی کبھی ایک قہقہے کی آواز آتی ہے، صرف کھانسی کی آواز ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہے۔ اندر گھپ اندھیرا ہے۔ کبھی کبھی چوکیدار کی سیٹی ان تین بلاکوں کی خاموشی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ میں نے بنچ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا ہے، لگتا ہے یہ پتھر کا بنچ بھی کہیں بھاگ جائے گا۔ میں ویسٹ باسکٹ کو املتاس کے درخت سے لٹکانا چاہتا ہوں لیکن پتہ نہیں ٹھڈے مار کے بچے اسے کہاں لے گئے ہیں۔ صبح ہونے والی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ کھانستا کھانستا پلنگ سے لڑھک کر دری پر جا پڑا ہے۔ آج اس کے ہونٹ ہل نہیں رہے۔ تمام دعائیں ختم ہو گئی ہیں۔ اس کے کمرے کی الماری کھلی ہے، کیمل کلر کی ٹوپی اس کے سر سے دور جا گری ہے۔

میں پارک کی گھاس دیکھتا ہوں۔ ساری گھاس شبنم سے بھیگی ہے۔ دھوپ نکلنے پر ساری کی ساری ہوا میں تحلیل ہو جائے گی اور پھر کسی اگلی رات کو پچھلے پہر کسی اور گھاس پر جا کر برسے گی۔ ایسے ہی غم میں برسنے والے آنسو مائع سے گیس بنتے ہیں اور پھر کسی اور موسم میں کسی اور کے لئے برسنے کو آ نکلتے ہیں۔ غم تا دیر ایک ہی صورت میں رہے تو قیامت آ جاتی ہے۔ غم بھی عجیب بہروپیا ہے —— اگر یہ بھیس نہ بدلے تو آنسو مائع سے گیس نہیں بنتے۔

غم غصے میں نہ بدلے —— احتجاج بن کر نہ ابھرے تو غم کرنے والے کو غم

ساتھ لے کر زمین میں دھنس جاتا ہے —— غم اپنی اصل میں باقی نہیں رہتا، روپ بدلتا رہتا ہے —— ہسٹری کا طالب علم رہا ہوں، جانتا ہوں ہار کو جیت میں بدلتے دیر نہیں لگتی —— غم کو غصے میں تبدیل کرنے کے لئے ایک چیخ کافی ہے۔

میں زور سے چیخنا چاہتا ہوں۔ ٹھنڈی پتھریلی بنچ کے سرے میرے ہاتھوں میں ہیں۔ میں اس قدر اونچا چیخنا چاہتا ہوں کہ میری چیخ سے وہ جاگ جائے۔ لیکن یہ چیخ ان ہی چیخوں میں کہیں دفن ہو جاتی ہے جو مدتوں سے میرے سینے میں بند ہیں —— مجھے لگتا ہے کہ کہیں میرے بچے نے اس عورت کا کان کاٹ کھایا ہے جو اشرف کی بیوی ہے —— مجھے محسوس ہوتا ہے پاگل عورت میں جو قہقہہ جاگتا ہے، میری ماں کا ہے۔ صبح ہونے والی ہے۔ میں آسمان کو تکتا ہوں۔ ابھی کوئی چیل آسمان پر نہیں آئی۔ آسمان ہمیشہ کی طرح دور ہے۔ لیکن یہ آسمان کی مہربانی تھی جس نے مجھے ایسا باپ دیا جو ہمیشہ قریب رہا —— اور اشتباہ نظر کے باعث یہی سمجھتا رہا کہ وہ میں ہوں —— اب جب وہ نہیں رہا تو مجھے لگتا ہے کہ میں ہی تو وہ تھا!

٭٭٭